JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, July – December 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

سرسید کی سیرتی تحریریں، خطبات احمدیہ کے علاوہ ایک تعارفی مطالعہ

An Introductory Study on the Writings of Sir Syed Ahmed Khan on Seerat other than "Khutbaat e Ahmadiya"

Syed Aziz Ur Rahman*
In charge: Regional Dawah Centre (Sindh), Karachi.

Abstract

Sir Syed Ahmed Khan is one of the most prominent names in Urdu literature. His contributions in the world of knowledge, wisdom and services to mankind are manifold like reformation, education, research and administrative services. Sir Syed has written on wide variety of subjects including pure religious writings and his writings has remained point of discussion and debate in religious and academic circles.

Large part of Sir Syed's religious writing is devoted on subject of the life of Holy Prophet Muhammad (S.A.W). The most important is his book "Khutbaat-e-Ahmedia"and "Molood Nama- Jala ul' quloob", but his other writing on Seerat doesn't often discussed. The main reason for neglecting Sir Syed's other writings on Seerat is our lack of awareness and knowledge towards them as to satisfy ourselves we only give speeches on Sir Syed.

To understand the true services of Sir Syed and set its due importance we need to read his writings on seerat with proper context, otherwise, it is difficult to draw any opinion about his work.

Having this background in our mind this paper will introduce Sir Syed's writing onSeerat. Since too much is written on Khutbaat e Ahmedia, so discussion on it will be avoided in this article. Although, there is a dire need of critical and analytical work on Sir Syed's writings on life of prophet Muhammad (S.A.W) but this paper will only deal with introduction on the subject with some supplementary debates and references.

Keywords: *Sir Syed Ahmed Khan, Seerat writings.*

CC BY

سر سید اردو دنیائے علم و ادب کا نمائندہ اور نمایاں ترین نام ہے۔ سر سید کی خدمات کے کئی ایک پہلو ہیں، اور سب کے سب نمایاں۔ سر سید کی اصلاحی خدمات، تحقیقی اور علمی خدمات، تعلیمی اور انتظامی خدمات۔ ان کے ساتھ ساتھ سر سید کی تحریری خدمات کا دائرہ بھی وسیع اور متنوع ہے۔ اس میں ان کی خالص مذہبی تحریریں بھی شامل ہیں اور ان کی یہ تحریریں نمایاں طور پر وسیع پیمانے پر زیر بحث بھی رہی ہیں۔ سر سید کی ان تحریروں میں ایک بڑا حصہ سیرت طیبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سر سید کا اس حوالے سے اصل تعارف تو ان کی کتاب خطباتِ احمدیہ ہے، یا پھر ان کے مولود نامے جلاء القلوب کا کہیں ذکر آجاتا ہے، دیگر سیرتی تحریریں اس سلسلے میں عام طور پر زیر بحث نہیں آپاتیں۔ اس کا بڑا سبب ہماری لاعلمی اور سر سید کے حوالے سے محض تقریریں کرنے کا ہمارا ذوق اور رجحان ہے۔ ان کی خدمات جاننے کے لیے، اور ان کا درست مقام متعین کرنے کے لیے ان کو پڑھنا نہایت ضروری ہے، اور سر سید کی اصل تحریریں پڑھے بغیر اور ان کے موقف کو ان ہی کے الفاظ میں مکمل سیاق و سباق کے ساتھ جانے بغیر ان کے بارے میں درست رائے قائم کرنا مشکل امر ہے۔ سر سید شناسی کے لیے ان کے مکاتیب کا مطالعہ بھی نہایت اہم ہے۔ جو ایک علیحدہ موضوع ہے۔

سر سید کی مذہبی تحریروں پر تنقید ہوئی اور خوب ہوئی، یہ تنقید بجا بھی تھی اور بعض حوالوں سے بے جا بھی، لیکن اس تنقید کا جواز ان کی مذہبی تحریروں میں موجود ہے۔ یہی صورت حال ان کی سیرتی تحریروں کی ہے۔ ہمیں سر دست اس تنقید سے بحث نہیں، لیکن اس کا ایک اہم سبب ضرور سامنے آنا چاہیے، جو نظر انداز ہونے کے سبب سر سید کی عام مذہبی تحریریں ہمیں اجنبی محسوس ہوتی ہیں اور ان کے خیالات سے اتفاق ہو نہیں پاتا۔ سر سید خود اپنے بیان کے مطابق معتزلی تھے۔ اعتزال ایک عقلیت پسندانہ رجحان کا منظّم اظہار تھا، جو اپنی خاص شکل میں اعتزال کہلایا، ورنہ محض عقلیت پسندی تو ہمیشہ سے مسلمانوں کی روایت کا حصہ رہی ہے۔ اعتدال اور توازن کے ساتھ امت مسلمہ کے عمومی مزاج نے عقلیت پسندی کو ہمیشہ قبول کیا اور اس سے انحراف کی صورت میں اسے قبول عام حاصل نہیں ہو سکا۔ اور اگر کبھی حالات نے اس رجحان کو تحفظ فراہم بھی کیا تو رفتہ رفتہ صورت حال از خود اعتدال پذیر ہوتی چلی گئی۔ اس بارے میں اعتزال ہی بہترین مثال ہے، اس کے دور عروج کو ذہن میں رکھیے تو آج کی صورت حال سے تقابل اس مثال کی حقیقت واضح کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ سر سید علیہ الرحمہ نے اپنے اعتزالی رجحانات کے تحت نے جو لکھا، وہ مسلمانوں کے عمومی رجحان سے مطابقت نہ رکھنے کے سبب اکثریت کے لیے قابل قبول نہیں ٹھہرا۔

اس عنوان کے تحت اسی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے سر سید کی سیرتی تحریروں کا تعارف کرایا جائے گا، اور چوں کہ خطبات احمدیہ پر عام طور پر لکھا جاتا ہے، اس لیے تکرار سے بچنے کی خاطر اس سے احتراز کیا جائے گا۔ سر سید کی سیرتی تحریروں کے حوالے سے ایک بھرپور تجزیاتی اور تنقیدی مطالعے کی ضرورت بھی موجود ہے، مگر اس تحریر کا عمومی حصہ محض تعارف پر مشتمل ہوگا، کہ تجزیہ اور نقد الگ سے وقت چاہتا ہے، اور طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لیے سر دست تعارف پر اکتفا کیا جارہا ہے، البتہ ضمناً چند معروضات پیش کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی۔

سرسید کی سیرتی تحریریں

سرسید کی تحریریں جو ان کے خطبات احمدیہ (۱۲ خطبات) کے علاوہ ہیں، وہی ہمارا آج کا موضوع ہیں۔ ان میں خالص سیرتی مباحث ان تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔ ([1])

۱۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ۔ علیحدہ مختصر کتاب کے طور پر شائع ہوا۔ اب مقالات سرسید، مرتبہ اسماعیل پانی پتی میں بھی موجود ہے۔

۲۔ عالم غیب۔ ([2])

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا مذہب حنیف۔ ([3])

۴۔ ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ۔ ([4])

۵۔ جادو۔ ([5])

۶۔ سحر۔ ([6])

۷۔ عرب کے بتوں کے نام اور ان کے حالات۔ ([7])

۸۔ غزوۂ بدر کا واقعہ قرآن مجید میں۔ ([8])

۹۔ آں حضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں اور بشارات توریت اور انجیل میں۔ ([9])

۱۰۔ کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا اور کیا آں حضرت ﷺ نے دین حق کی اشاعت تلوار سے کی؟ ([10])

۱۱۔ خدا، رسول اور قیامت کے متعلق سرسید کے عقائد۔ ([11])

۱۲۔ وحی الٰہی اور نبوت کی حقیقت۔ ([12])

۱۳۔ نبوت ایک امر فطری ہے۔ ([13])

۱۴۔ معجزے کی حقیقت۔ ([14])

۱۵۔ کیا معجزہ دلیل نبوت ہے؟ ([15])

۱۶۔ آں حضرت ﷺ اور صدور معجزات۔ ([16])

۱۷۔ واقعۂ معراج کی حقیقت واصلیت۔ ([17])

ان تحریروں کے علاوہ سرسید رحمہ اللہ کی بہت سی تحریروں میں ضمناً سیرتی مباحث موجود ہیں، جن کا ذکر مزید طوالت کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے ان سے بھی سردست اجتناب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مزید تلاش اور تتبع سے اس فہرست میں اضافہ ہو سکتا ہے، ہم نے

سہولت کی خاطر اسماعیل پانی پتی کے مرتب کردہ مجموعہ مقالات سے یہ انتخاب کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس مجموعے میں بھی کچھ تحریریں شامل نہیں ہو سکی ہوں گی۔

ذیل میں ان ہی تحریروں کا فرداً فرداً تعارف پیش کیا جائے گا۔

سرسید کا اسلوب

ہم ابتدا میں سرسید کے اسلوب پر بھی چند اشارہ کرنا چاہتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ سیرت نگاری کے حوالے سے، تاکہ سیرت نگاری میں ان کے مقام کا درست تعین ہو سکے، اور ہم جان سکیں کہ فنی طور پر سیرت نگاری اور اردو سیرت نگاری کو سرسید کی خدمات کے نتیجے میں کیا حاصل ہوا؟

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ سرسید کے اسلوب کی کیا خصوصیات ہیں؟

سرسید عہد کا سیاسی، ملکی اور تعلیمی اعتبار سے تو پرآشوب ہے ہی، اسلوبِ تحریر کے اعتبار سے بھی اصلاح طلب نظر آتا ہے۔ سرسید کو اس کا احساس تھا، اور وہ مدت العمر اسی احساس کے پیش نظر اصلاح احوال کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ تحریر اور فنِ تحریر کو وہ خود کس نظر سے دیکھتے تھے؟ اس کا اظہار خود ان ہی کی ایک تحریر میں ملتا ہے۔ سرسید ایک مقام پر اس حوالے سے اپنے احساسات ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں (تہذیب الاخلاق) کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی، الفاظ کی درستی اور بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی، عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے، اور دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانے میں مقفّٰی عبارت کہلاتی ہے، ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگیٔ عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ([18])

سرسید کی تحریر کی خوبیوں اور اسلوب کے امتیاز کو چند اشاروں میں یوں نمایاں کیا جا سکتا ہے:

الف: سرسید نے اپنے بیان کے مطابق اپنی تحریر کو بوجھل اور ثقیل طرز تحریر کی روایت سے نکال کر سادہ اور بہ راہ راست بیان کے اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

ب: اس اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے سرسید کی تحریر کہیں کہیں بہت زیادہ ناملائم اور کھردری بھی محسوس ہوتی ہے، مگر مسجع و مقفّٰی عبارتوں اور تشبیہات و استعارات میں نفس مضمون کو غارت کر دینے والے اسلوب سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا سرسید کی اولیات میں شمار ہوگا۔

ج: سرسید تحریر بہ رائے تحریر کے قائل نہیں، وہ مقصدیت کے قائل ہیں، جو لکھتے ہیں اصلاح کی غرض سے لکھتے ہیں۔

د: چوں کہ سر سید کی تحریر بہ راہ راست ہے، اس لیے ان کی تنقید کا لہجہ کھردرا ہوتا ہے، جو مزید چبھن کا باعث بنتا ہے۔
ھ: سر سید تحریر میں مداہنت تو کیا مصلحت کے بھی قائل محسوس نہیں ہوتے، جو درست سمجھتے ہیں، وہ لکھ ڈالتے ہیں، خواہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو، یا لوگوں کے مزاج کے کتنی ہی خلاف ہو۔
و: سر سید انگریزی کے الفاظ خوب استعمال کرتے ہیں، بعض جگہ تو بالکل بے جوڑ اور بلا ضرورت، ان کا موقف یہ ہے کہ اردو ایک زندہ زبان ہے، اسے دوسری زبانوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔
ز: اکثر اپنے اوپر ہونے والی تنقید میں سر سید متحمل نظر آتے ہیں، کہیں طنز و مزاح سے کام لے کر تنقید کو اڑا دیتے ہیں، مگر کبھی جلال میں ہوتے ہیں تو مخالفین کو خوب رگیدتے ہیں۔ اگرچہ ایسا کم کم ہوتا ہے۔
ح: سر سید انگریز سے بہ ہر حال مرعوب ہیں، اور اس کا ایک ہی سبب نظر آتا ہے کہ وہ انگریزی سے واقف نہیں، ان کے سامنے انگریز کی مصنوعی زندگی، لباس کی تراش خراش اور رہن سہن کا طمطراق ہے۔ جس قدر وہ انگریز سے متاثر ہیں، اسی طرح وہ اکثر مسلمان مفکرین سے نالاں بھی، یہ کیفیت ان کی تحریر کا حصہ بن جاتی ہے، اور کبھی تو بات دور تک چلی جاتی ہے۔
ط: سر سید اپنے جذبات کے اظہار میں بے باک اور غیر محتاط ہیں۔
ی: سر سید کی تحریر بتاتی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن ایک ہے، یہی سبب ہے کہ سخت سے سخت تنقید کے جواب میں بھی وہ اپنے آپ کو محض اظہار حقیقت اور امر واقعی کی وضاحت تک محدود رکھتے ہیں۔
ک: سر سید کی تحریروں کا تنوع عام قاری کو حد درجے متاثر کرتا ہے، فکر و فلسفہ، سیاسیات، اخلاقیات، قرآنیات، منطق، حدیث، سیرت، تاریخ، تعلیم، حالات حاضرہ، شخصیات، ۔ سب ہی پر نہ صرف ان کی تحریریں موجود ہیں، بل کہ کثرت سے موجود ہیں۔ ([19])

سر سید کے عقائد

سر سید کے عقائد اگرچہ ہمارا بہ راہ راست موضوع نہیں، مگر اس حوالے سے اس لیے دو تین اشارے ضروری ہیں کہ ان سطور میں سر سید کی مذہبی اور خصوصاً سیرتی تحریریں زیر بحث آرہی ہیں، جہاں ان کے بہت سے افکار عامۃ الناس کے لیے اجنبیت کا باعث بن سکتے ہیں۔ سر سید کی تحریر کے بارے میں ہم عرض کر چکے کہ وہ جیسے تھے، اپنی تحریر میں ویسے ہی نظر آتے ہیں، ان کی ایک دعا مقالات سر سید کے بالکل ابتدا میں منقول ہے، یہ دعا انہوں نے تحریری صورت میں ۲۷ فروری ۱۸۷۲ھ کو ایک اجتماع میں پڑھی تھی۔ ایک اقتباس دیکھیے، اس میں توحید و رسالت، خصوصاً ذات رسالت مآب ﷺ سے ان کے ربط و تعلق کا بہ خوبی اظہار ہوتا ہے، اثنائے دعا میں کہتے ہیں:

> ”اے خدا تو بے شک بے نیاز ہے۔ تیری بے نیازی ہم کو تسلیم ہے، مگر کیا تو ہم سے بھی بے نیاز ہے۔ گیرم کہ غمت نیست غم ما ہم نیست۔ نہیں نہیں حاشا و کلا تو ہمارے ماں باپ سے بھی زیادہ ہمارا غم خوار ہے۔ جیسے کہ ہم تجھ سے بے نیاز نہیں ہیں، ویسا ہی تو بھی ہم سے بے نیاز نہیں۔ اے خدا! اے خدا! ہمارا اور تیرا یہ رشتہ کہ تو ہمارا خدا ہے اور ہم تیرے بندے، اور تو ہمارا خالق ہے اور ہم تیری مخلوق، کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اے ہمارے عظیم الشان خدا! اگر تجھ کو

خدائے ذوالجلال! وحدہ لاشریک ہونے کی عزت حاصل ہے، تو ہم کو بھی تیرے بندے ہونے پر بہت ہی کچھ فخر ہے۔
پس اپنے جلال کو دیکھ اور اور اپنے بندوں کی دست گیری کر۔"
"الٰہی! ہمارا دل اور ہماری جان محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین پر فدا ہو، جن کو تو نے ہماری ہدایت کے لیے بھیجا، اور جن کی ہدایت سے ہم نے تجھ کو جانا۔ پس تجھ سے ہم نے رسول اللہ کو پایا اور محمد رسول اللہ سے تجھ کو:

محمد از تو میخواہم خدارا
خدایا از تو خواہم مصطفیٰ را

پس اے خدا تو ہمیشہ ہم کو ان کی راہ پر رکھ اور ان پر اور ان کی آل واصحاب پر اپنی رحمت نازل کر۔
اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید"
([20])

سر سید کے عقائد کی وضاحت خود ان کی ایک مختصر تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ سر سید کے مشہور سفر لندن سے واپسی پر پورے ہندوستان کے علما سے سر سید کے کفر کے بارے میں ایک فتوے کی تیاری کی مہم چلائی گئی، فتوے کی غرض سے لکھی جانے والی یہ تحریر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پاس بھی پہنچی، انہوں نے سر سید کی رائے جانے بغیر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور پھر سر سید کو خط لکھا کہ اپنے عقائد کی وضاحت کے لیے ان سوالات کے مختصر جوابات لکھ بھیجے:
سر سید نے جواب میں اپنے عقائد لکھ بھیجے، یہ سوال وجواب ملاحظہ کیجیے:
سوال: خدا کی نسبت آپ کا جو عقیدہ ہو وہ بہت مختصر طور پر چند لفظوں میں لکھ دیں۔
جواب: خدا تعالیٰ ازلی، ابدی، مالک اور صانع تمام کائنات کا ہے۔
سوال: حضرت نبی کریم محمد ﷺ کے متعلق آپ کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟
جواب: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔
سوال: قیامت کی بابت آپ کے خیالات کیا ہیں؟ جواب مختصر ہو۔
جواب: قیامت برحق ہے۔
سر سید کی طرف سے ہر سہ امور کے متعلق یہ جواب موصول ہونے پر حضرت مولانا نے علمائے کرام سے فرمایا
کیا تم ایسے شخص کے کفر پر مجھ سے دستخط کرانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے؟ جاؤ میں قیامت تک اس فتوے پر دستخط نہیں کروں گا۔ ([21])

سیرت نگاری

سر سید کی سیرت نگاری کو کئی خصوصیتیں حاصل ہیں، غالباً ان کا سبب سر سید کا بچپن کا وہ ماحول ہے، جو انہیں حاصل رہا۔ چناں چہ ان کی تربیت میں دو عناصر نمایاں محسوس ہوتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ اس وقت دہلی میں ترویج مذہب اور علوم اسلامی کے دو بڑے مرکز تھے۔ ایک شاہ عبدالعزیزؒ کا مدرسہ۔ دوسرے مرزا مظہر جاں جاناں کے جانشین شام غلام علیؒ کی خانقاہ۔ پہلے میں ولی اللہی مسلک

کی پیروی ہوتی تھی، اور دوسرے میں طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی۔ سرسید نے دونوں سے فیض حاصل کیا۔ ان کی ننھیال کو شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان سے عقیدت تھی اور وہاں اکثر رسوم وامور میں شاہ صاحب کی پیروی ہوتی، لیکن سرسید کے والد شاہ غلام علی صاحب کے چہیتے مرید تھے۔ لہٰذا سرسید کے تعلقات خانقاہ سے بہت گہرے تھے۔ شاہ غلام علی صاحب کو اس خاندان سے بڑی محبت تھی اور سرسید اور ان کے بہن بھائی شاہ صاحب کو "دادا حضرت" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ شاہ صاحب کو بھی ہم سے ایسی محبت تھی، جیسی حقیقی دادا کو اپنے پوتوں سے ہوتی ہے۔ شاہ غلام علی صاحب بھی کہا کرتے تھے کہ گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے، لیکن (سرسید کے والد) متقی کی اولاد کی محبت ایسی دے دی ہے کہ اس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔

شاہ صاحب ہی نے سرسید کا نام احمد رکھا تھا اور ان کی بسم اللہ کی تقریب بھی شاہ صاحب ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ سرسید کے والد، اکثر انہیں اپنے ساتھ، شاہ صاحب کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ ([22])

خود سرسید آثار الصنادید میں حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

میں ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ اپنی شفقت اور محبت سے مجھے اپنے پاس مصلے پر بٹھا لیتے اور نہایت شفقت فرماتے، لڑکپن میں کچھ تمیز تو ہوتی نہیں، خصوصاً صغر سنی میں۔ جو چاہتا سو کہتا، جو چاہتا سو کرتا اور حرکات بے تمیزانہ مجھ سے سرزد ہوتیں۔ آپ ان سب کو گوارا فرماتے۔ میں نے اپنے دادا کو تو نہیں دیکھا آپ ہی کو دادا حضرت کہا کرتا تھا۔ ([23])

جلاء القلوب

اتفاق دیکھیے کہ سرسید رحمہ اللہ کی تالیفی و تحریری زندگی کا آغاز بھی سیرت طیبہ سے ہوا، آپ کے قلم سے نکلنے والا مولود نامہ جلاء القلوب آپ کی ابتدائی تحریروں میں سے ایک ہے، یہ ۱۲۵۸ھ/۱۸۳۹ء کی تحریر ہے، جس کا ۱۲۵۹ھ کا ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کا پورا نام ہے: جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ۔ یہ اس وقت کے مروج اسلوب میں ایک مختصر مولود نامہ ہے، مگر اسے دو خصوصیات ممتاز کرتی ہیں۔ اس وقت عام طور پر اس نوعیت کی تحریروں کا بڑا حصہ ولادت نبوی سے متعلق مستند و غیر مستند معجزات کے ذکر پر مشتمل ہوتا تھا، جلاء القلوب اس میں اس حوالے سے شعوری طور پر احتیاط برتی گئی ہے، اور اس کے مضامین میں بھی اختصار کے باوجود تنوع نظر آتا ہے۔ دوسرے اس وقت کا اسلوب یہ تھا کہ یا تو پوری تحریریں نظم میں ہوتی تھی، یا اس کا بڑا حصہ نظم پر مشتمل ہوتا تھا، جلاء القلوب میں ایسا نہیں۔ اشعار یقیناً اس میں موجود ہیں، مگر اس کثرت سے نہیں کہ کتاب نثر سے زیادہ نظم کی معلوم ہو۔

جلاء القلوب کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے:

> "الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا محمد خاتم المرسلين وآله الطيبين الطاہرين واصحابه نجوم الدين۔ افضل الاذكار ذكر النبی ﷺ۔ دنیا میں سب سے اچھی یہ بات ہے کہ اپنے پیارے نبی کا ذکر کیجیے، اور ہر دم اس کے نام پر دم دیجیے۔" ([24])

جلاء القلوب کے مضامین میں ولادت، ولادت کے وقت چند معجزات، حضرت حلیمہ اور ام ایمن کا دودھ پلانا، والدہ اور جد محترم کا انتقال، جناب ابو طالب کی پرورش، شام کے دو سفر، حضرت خدیجہ سے نکاح، غار حرا میں قیام اور پہلی وحی، دعوت کا آغاز اور مشرکین کی ایذا رسانی، جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال، جنوں کا اسلام لانا اور معراج، ہجرت مدینہ اور وفات، مختلف غزوات کا سرسری ذکر، حجۃ الوداع۔ آپ ﷺ کے اسمائے گرامی، حلیہ مبارکہ، اخلاق مبارکہ، اور یہ بیان اس کتاب کا سب سے تفصیلی حصہ ہے، آپ کے معمولات، آپ کا مزاح فرمانا، اولاد، آپ کے چچا، خدام، کاتبین، معجزات، آخر میں پھر سفر حج کا ذکر ہے، اور یہ بھی قدرے تفصیلی ہے، پھر آخری ایام کے چند واقعات، وفات اور وفات کے وقت صحابہ کرام کی کیفیت۔ کوئی چھوٹے سائز میں ۶۱ صفحات پر یوں یہ مولود نامہ مکمل ہوتا ہے۔ چند اشعار اور بار بار درود شریف اس کا حصہ ہیں۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ بعد کی زندگی میں سر سید نے اپنے تبدیل شدہ خیالات کے زیر اثر اس مولود نامے میں موجود خیالات سے بھی لاتعلّقی کا اظہار کیا، چناں چہ سر سید اپنی ایک تحریر میں، جو دراصل جلاء القلوب پر ان کا اپنا تبصرہ ہے۔ یہ تبصرہ جون ۱۸۷۸ء میں ان کے قلم سے نکلا، کہتے ہیں:

> "دل میں آیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو بہ طور بیان حالاتِ اور واقعات کے ہو، اور جس میں نامعتبر باتیں نہ ہوں، لکھا جاوے، مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بھی بہت سی نامعتبر بل کہ لغو باتیں ہیں۔" ([25])

یہ سیرت طیبہ کے حوالے سے سر سید کی پہلی تحریر تھی۔ جو ۱۲۵۹ھ میں لکھی گئی۔ متفرق تحریروں کے علاوہ خطبات احمدیہ کی تحریر و۔ تسوید و اشاعت کے بعد سر سید کی آخری تحریر اور ۱۸۹۸ء میں قبل از انتقال نامکمل رہ جانے والا مضمون بھی سیرت طیبہ پر تھا، جو ازواج مطہرات کے حوالے سے تھا، یہ نامکمل صورت میں موجود ہے، اس میں بھی سر سید علیہ الرحمہ نے خطبات احمدیہ کی طرح ایک غیر مسلم عیسائی قلم کار کی کتاب کا جواب تحریر کیا ہے۔ اس طرح سر سید کے رشتہ قلم و قرطاس کے اول و آخر سیرت طیبہ موجود ہے، اور یہ سعادت ہی سعادت ہے۔

ہم اس مضمون کا تعارف اپنے مقام پر پیش کریں گے، چوں کہ ہم نے یہ تمام مضامین (جلاء القلوب کے علاوہ) مقالات سر سید مرتبہ اسماعیل پانی پتی سے اخذ کیے ہیں، اس لیے ان مضامین پر بات کرتے ہوئے وہی ترتیب پیش نظر رہے گی، جو مقالات سر سید کی ہے۔ اس لیے امہات المومنین کے حوالے سے مذکورہ مضمون درمیان میں زیر بحث آئے گا۔

عالم غیب۔ تہذیب الاخلاق یکم ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ۔ ([26])

عنوان کے برخلاف یہ مضمون درحقیقت فرشتوں اور ملائک کے حوالے سے سر سید کے معتقدات کا احاطہ کرتا ہے، انہوں نے اس میں یہ بیان کیا ہے کہ فرشتوں کا ذکر قرآن کریم میں جہاں بھی آیا ہے، اس سے درحقیقت قویٰ مدبر عالم پر ملائک کا اطلاق ہوا ہے۔ ([27]) سر سید نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے تفصیلی بحث کی ہے، بہت سی روایات ذکر کی ہیں، حدیث جبریل بھی ان میں شامل ہے، جس میں

حضرت جبریل کے صحابۂ کرام کی مجلس میں آنے کا ذکر کیا ہے، اس روایت کے بہت سے طرق بیان کرنے کے بعد سر سید کہتے ہیں کہ اس میں راویوں کا بڑا اختلاف ہے، اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ جبریل کا اضافہ در حقیقت کسی راوی کی رائے اور خیال ہے۔

چوں کہ فرشتوں خصوصاً جبریل کی آمد کا وحی سے اہم تعلق ہے۔ اور سر سید نے بھی اس بات کو وحی کے تناظر سے ملا کر بیان کیا ہے، اس لیے اس مضمون کو بھی سیرتی تحریروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سر سید کا یہ استدلال نہایت کم زور بل کہ بے بنیاد ہے، اس موضوع پر سر سید رحمۃ اللہ نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، خاص طور پر اس حوالے سے کہ ملائک کیا ہیں، ان کے بارے میں اقوام ماسبق کا نظریہ کیا تھا، اور ان کی حقیقت کیا ہے، ان کا کہنا یہی ہے کہ عوام کو سمجھانے کے لیے انبیائے کرام نے تمثیلی اسلوب اختیار کیا تھا، ورنہ یہاں فرشتوں سے مراد اس نظام قدرت میں رکھی جانے والی کی قوت ہے، جس کے ماتحت یہ تمام امور انجام پذیر ہو رہے ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے سر سید نے احادیث کے متون اور ان کے شارحین سے بھی بحث کی ہے، اور ان کے اقوال تائید و تردید میں پیش کیے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا مذہب حنیف۔ (28)

امت مسلمہ کو دینی حنیفی بھی کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کا ہی تسلسل ہے، قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ نے متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے تعلق کو بیان کیا ہے۔ یہ مضمون صرف اس غلطی فہمی کی تردید کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم بھی بت پرست تھے، یا دین حنیف بت پرستی کا نام ہے، یہ غلط فہمی بہ قول سر سید یوں ہوئی کہ مامون رشید کے زمانے میں عبدالمسیح ابن اسحاق کندی جو عیسائی مذہب کا پیروکار اور بڑا عالم تھا، مامون رشید کے دربار میں ایک بہت معزز عہدے پر ملازم تھا۔ مامون رشید کے ایک قریبی رشتہ دار نے، جس نے اپنا لقب الہاشمی قرار دیا ہے، ایک خط عبدالمسیح کے نام دعوت اسلام کا بھیجا اور یہ خواہش کی کہ وہ بھی مسلمان ہو جائے۔ عبدالمسیح نے سختی سے اس خط کا جواب لکھا ہے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس جواب میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس زمانے تک جب کہ وہ پیغمبر ہوئے، یعنی پچھتّر برس کی عمر تک بت پرستی کیا کرتے تھے اور وہی بت پرستی کا مذہب مذہب حنیف کہلاتا تھا۔ (29)

سر سید نے اس مضمون میں اپنے استدلال کے لیے قرآن کریم کی متعدد آیات سے استشہاد کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ دین حنیف کا بت پرستی سے کبھی کسی نوعیت کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

ازواج مطہرات رسول خدا ﷺ۔ (30)

یہ سر سید کی زندگی کا آخری مضمون ہے، یہ لکھتے لکھتے وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، یوں یہ مضمون نامکمل رہا۔ اس مضمون میں ازواج مطہرات کے حوالے سے بعض مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں، اس میں سات ازواج مطہرات، حضرت خدیجہ، حضرت سودہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب ام المساکین اور حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہن کے حالات تحریر کیے گئے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ، حضرت حفصہ، حضرت جویریہ، اور حضرت ماریہ قبطہ رضی اللہ عنہن کے

حالات ابھی لکھ نہیں پائے تھے کہ وقت موعود نے انہیں آلیا۔ سر سید نے اپنے اس مضمون کا ذکر اپنے مکاتیب میں بھی کیا ہے، اور فخر سے کیا ہے، اپنے ایک خط میں مولانا سید میر حسن کو لکھتے ہیں:

"ان دنوں میں ایک بہت نازک اور بڑے امر پر رسالہ لکھ رہا ہوں، یعنی ازواج مطہرات رسول خدا ﷺ پر۔ یہ رسالہ چھپے گا تو مجھے امید ہے کہ کسی کے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنے کا۔" ([31])

یہ خط ۱۱ مارچ ۱۸۹۸ء کا تحریر کردہ ہے، اور ۲۷ مارچ کو سر سید اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اس مضمون میں سر سید نے رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج پر کلام کیا ہے، اور بتایا ہے کہ مختلف اقوام میں یہ امر مروج رہا ہے، اور اس پر تعجب خود تعجب انگیز ہے کہ اس حوالے سے تورات و انجیل کے بیانات بھی تعدد ازواج کے موئید ہیں۔

سر سید نے ضمناً نکاح کے حوالے سے اسلام کی جانب سے عائد کی جانے والی بعض پابندیوں کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا، یا اپنے والد کی منکوحہ سے نکاح، یہ عرب میں عام طور پر رائج تھے۔ اسی طرح اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے لیے مزید جو شرائط من جانب اللہ تھیں، ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ سر سید کہتے ہیں کہ جب بہ یک وقت چار سے زائد ازواج رکھنے کی ممانعت کا حکم آیا تو جن صحابہ کرام کی چار سے زائد بیویاں تھیں، انہوں نے چار کو رکھ کر باقی کو طلاق دے دی، آپ ﷺ ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کی ازواج بعد میں کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اس لیے آپ نے باقی کو علیحدہ نہیں کیا۔ ([32]) یہ نکتہ نہایت اہم ہے، یعنی تعدد ازواج کے مسئلے میں اصول یہی ٹھہرا کہ چار سے زائد ازواج کو بہ یک وقت رکھنے کی اجازت کسی کے لیے بھی نہیں ہے، البتہ چوں کہ اس سے پہلے ایک اور قانون کا آچکا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ کے بعد کسی اور کے نکاح میں نہیں آسکتیں، اس لیے ان کے حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے اس عام قانون میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استثنا دیا گیا۔

سر سید نے اس مضمون میں آپ ﷺ کی اولاد کی تفصیل بھی دی ہے۔ ضمن میں بہت سے مزید مسائل پر بھی سر سید نے اپنی رائے پیش کی ہے، مثلاً حضرت زید اور حضرت زینب الاقصہ، اور اس کے قرآنی بیان پر اشکالات۔ مضمون کا اختتام اس نکتے پر ہوتا ہے کہ ازواج کو امہات کہنے کا کیا مطلب ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے محرمات میں شمار کیا ہے، اس لیے یہ امت پر حرام ہیں، اس کی حرمت امہات کہنے کی وجہ سے نہیں۔ امہات سے نسبی مائیں مراد نہیں ہیں۔

جادو۔ تہذیب الاخلاق: یکم شوال ۱۳۱۲ھ۔ ([33])

سحر، جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے۔ تہذیب الاخلاق: یکم محرم الحرام ۱۲۹۳ھ۔ ([34])

یہ دو مضامین ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ہم ان پر اکھٹے ہی گفت گو کریں گے۔

پہلے مضمون میں سر سید یہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا بھر میں لوگ جس چیز پر یک ساں اعتقاد رکھتے ہیں، وہ جادو ہے۔ پھر اس حوالے سے انہوں نے بعض مغربی افکار اور آرا پیش کی ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ سحر کی کچھ اصلیت نہیں ہے، معتزلہ بھی اس کے برحق ہونے کے قائل نہیں، پھر سر سید رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح بخاری کے حوالے سے مزید شخصیات کا ذکر کرکے بتاتے

ہیں کہ کئی ایک اہل علم جادو کی حقیقت اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں، آخر میں عمدۃ القاری ہی کے حوالے سے امام رازی کا موقف نقل کیا ہے کہ معتزلہ وجود سحر کا انکار کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے۔ ([35]) شاید اس کا مفہوم یہ ہے کہ جادو کی صورت میں اصل صورتِ واقعہ تبدیل نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

یہ مضمون چوں کہ اس کے بعد والے مضمون سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسے بھی ہم نے اپنی اس فہرست میں شامل کیا ہے۔

دوسرا مضمون بھی اس حوالے سے ہے، مگر اس میں اس امر کی نفی کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو ہوا تھا، ان کا کہنا ہے کہ قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر جادو ہو گیا تھا، وہ کافر ہے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کی طرف سحر یا جادو کی نسبت کیسے ہو سکتی ہے؟ سر سید کا یہ استدلال بہ ہر کیف نہایت کم زور ہے۔ البتہ اس حوالے سے آگے چل کر سر سید نے مزید دلائل بھی دیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سحر کے غلط ہونے کے دلائل یقینی ہیں، ان کے مقابل روایات خبر احاد ہیں، جو ظنی ہیں، اس لیے ان روایات سے رسول اللہ ﷺ پر سحر ثابت نہیں ہو سکتا۔

سر سید نے اس مضمون میں سحر کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، انہوں نے اہل علم کے حوالے سے سحری آٹھ قسمیں بیان کی ہیں، اور پھر فرداً فرداً ان پر بات کی ہے، اور مثالوں سے اپنی بات واضح کی ہے، چناں چہ حضرت موسیٰ کے معجزۂ عصا کے ذکر میں کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ واژدھے نہیں ہو گئی تھیں، بل کہ بہ سبب تاثر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھی، وہ رسیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ اور اژدھا معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے جو کچھ کیا وہ بھی مقتضائے قوت نفس انسانی تھا، مگر وہ قوت حضرت موسیٰ میں فطرتی اور اقویٰ تھی۔ ([36])

دراصل سر سید چوں کہ اس نوعیت کے حسی معجزات کو اپنے معتزلی اعتقاد کے سبب اصل کیفیت میں تسلیم نہیں کرتے، اس لیے ہر مقام پر تاویل سے کام لیتے ہیں، یہاں بھی تاویل کے ذریعے ان حسی معجزات کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جو بلاوجہ کی مشقت ہے۔ اور خاص طور پر معتزلہ کے مقابلے میں اہل سنت کا موقف نہایت واضح ہے۔

عرب کے بتوں کے نام اور ان کے حالات۔ تہذیب الاخلاق: یکم رمضان ۱۳۱۳ھ۔ ([37])

قرآن کریم میں سورہ نوح میں آٹھ بتوں کا ذکر آیا ہے، ان بتوں کے نام عربوں کے ہاں بھی ملتے ہیں، اور تاریخ عرب سے علم ہوتا ہے کہ یہ وہ بت تھے، جو دیگر درجنوں بتوں کے ساتھ عربوں کے ہاں پوجے جا رہے تھے۔ سر سید نے ان کی تاریخ بیان کی ہے اور آغاز اس امر سے کیا ہے کہ بت پرست یہ سمجھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے کواکب کو مدبر بنایا ہے اور ان میں روحانیت بھی مانتے تھے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے تھے کہ خدا سے ان کے سفارشی ہوں اور ارواح طیبہ اور ارواح خبیثہ کو موثر امور کائنات سمجھتے تھے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے تھے، تاکہ وہ مہربان ہوں اور ان کی مضرت سے محفوظ رہیں۔ ([38])

اس کے بعد سر سید نے اس نکتے کو نمایاں کیا ہے کہ ان بتوں کا تعلق حضرت نوح کے قصے سے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سر سید نے امام رازی کے بیان سے بھی استدلال کیا ہے، اور آخر میں وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سورۂ نوح میں جہاں ان بتوں کا ذکر ہے، وہاں یہ آیت بہ طور جملہ معترضہ کے ہے اور قالوا کی ضمیر کا مرجع، یعنی یہ بات کہنے والے کہ تم اپنے خدائوں کو نہ چھوڑنا، نہ ود کو، نہ سواع کو، نہ یغوث

کو اور نہ یعوق اور نسر کو، خود اہل عرب ہیں، جو آں حضرت ﷺ کے زمانے میں ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور جب سورۂ نوح میں قوم نوح کے کفر وضلالت کا ذکر ہوا کہ شرک سے ان کو منع کیا گیا تھا اور جو وبال ان پر آیا تھا اس کا ذکر بھی ہوا تو کفار عرب آپس میں کہنے لگے کہ ہم اپنے بتوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ([39])

غزوۂ بدر کا واقعہ، قرآن حکیم میں۔ ([40])

اس مضمون کا آغاز واقعہ بدر کے بیان سے ہوا ہے۔ آغازِ مضمون میں بدر کا محل وقوع اور قریش کی پیش قدمی کا سبب بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش کو یہ علم ہوا کہ مسلمان ان کے تجارتی قافلے کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو اسے بچانے کے لیے آئے تھے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کا ارادہ صرف اس قدر نہ تھا، نہ ان کی تیاری اتنی محدود تھی، نیز جب انہیں علم ہوا کہ وہ قافلہ بچ نکلنے میں کام یاب ہو گیا ہے، تب بھی ان کا مدینے پر حملے کا قصد کرنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ لڑنے کا عزم لے کر ہی آئے تھے۔ ([41]) یہ نکتہ نہایت اہم ہے، اور اس غزوے کے مقاصد کی بحث کو اس سے ایک نئی جہت ملتی ہے۔

پھر اس سوال پر بحث کی ہے کہ کیا مسلمان قافلۂ قریش کو لوٹنا چاہتے تھے؟ سرسید کی یہ بحث قدرے طویل ہے، اور وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے مسلمانوں کا مقصد تجارتی قافلہ لوٹنے کا نہیں تھا، کیوں کہ سورہ انفال کی آیت ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے لڑنے کے لیے مسلمانوں کے نکلنے میں اختلاف ہوا، اور چھٹی آیت میں وجہ بیان ہوئی ہے کہ "گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں، اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھتے ہیں۔" ([42])

جب کہ تجارتی قافلے میں تو اتنے افراد ہی نہیں تھے کہ مسلمانوں کی جان کو خطرہ لاحق ہوتا۔ اس استدلال کے بعد وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جنگ بدر میں فرشتوں کی آمد ہوئی تھی؟ اور اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نہ ان لڑائیوں میں ایسے فرشتے جن کو لوگ ایک مخلوق جداگانہ اور متحیز بالذات مانتے ہیں، آئے تھے اور نہ خدا نے ایسے فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، اور نہ قرآن مجید سے ایسے فرشتوں کا آنا یا خدا تعالیٰ کا ایسے فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر ہم حقیقت ملائکہ کی بحث کو الگ رکھیں اور فرشتوں کو ویسا ہی فرض کر لیں جیسا کہ لوگ مانتے ہیں تو بھی قرآن مجید سے ان کا فی الواقع آنا یا لڑائی میں شریک ہونا ثابت نہیں ہے۔ ([43])

نیز اسی ضمن میں سرسید نے مسلمانوں کو تسلی دینے والی آیات پر بھی بحث کی ہے۔ "سکنیت" سے مراد پر بات کی ہے قرآن کریم کی بعض آیات: وَمَا رَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ ([44]) وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ ([45]) وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ([46]) وغیرہ کی اپنے انداز میں تفسیر کی ہے، ہر مقام پر ان کی رائے جمہور سے الگ اور عقلیت پسندی کی اس رو پر مبنی ہے، جو اس وقت عام تھی، جس کے تحت معجزات کا عمومی بیان ہی اجنبیت سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا سبب سرسید کا فکری اعتزال ہے۔

مضمون کے آخر میں ایک بار پھر فرشتوں کی آمد سے بحث کی ہے، اور اس سے قوائے غیر مرئیہ مراد لیے ہیں، اور آخری چند پیرا گراف میں اس پر بحث کی ہے کہ اترنے والے فرشتوں کی تعداد قرآن میں الگ الگ بیان ہوئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ ان کا خیال ہے کہ یہ

تعداد بیانِ کثرت کے لیے ہے، اصل تعداد مراد نہیں، حال آں کہ غور طلب پہلو یہ ہے کہ جب فرشتوں سے مراد ہی قوائے غیر مرئیہ میں، تو تعداد کی بحث ہی غیر متعلق ٹھہرتی ہے۔

آں حضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں اور بشارات توریت اور انجیل میں۔(47)

اس مضمون کا عنوان واضح ہے، اس کے آغاز میں سر سید لکھتے ہیں کہ ہم نے یہ مضمون خطبات احمدیہ میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس مقام پر بلا کسی بحث کے توریت و انجیل کی وہ آیتیں لکھ دی جاتی ہیں، جن میں آں حضرت ﷺ کی بشارات لکھی ہیں۔ (48)

چناں چہ سر سید علیہ الرحمہ نے یہاں آٹھ دس ایسی بشارتوں کا ذکر کیا ہے، جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور ان کا اسلوب یہی ہے کہ وہ مکمل حوالے کے ساتھ اس عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، جن سے یہ بشارت ثابت ہوتی ہے۔

کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا؟ اور کیا آں حضرت ﷺ نے دین حق کی اشاعت تلوار سے کی؟ (49)

اور اس عنوان کے ساتھ توضیحی سطر یہ ہے: ''اہل یورپ کا غلط اور فضول اعتراض، آں حضرت ﷺ کے غزوات و سرایا کا تفصیلی تذکرہ'' اس سطر سے اس مضمون کا مقصد و مرکزی خیال بھی واضح ہو جاتا ہے۔

آغاز میں سر سید یہ وضاحت کرتے ہیں کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ میں کافروں سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے اور مغلوب کرنے کا ذکر ہے، اس کی نسبت مخالفین اسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے اسلام کی نسبت مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کیے ہیں۔ (50) باقی مضمون اسی نکتے کی وضاحت میں ہے، اور خاصا تفصیلی ہے کہ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ سر سید کا کہنا ہے کہ ہم اس مضمون میں یہ تحقیق پیش کریں گے کہ کیا قرآن مجید کسی ہتھیار اٹھانے کا حکم زبردستی اسلام بنوانے کے لیے تھا؟ (51) ان کا کہنا ہے کہ یہ تمام لڑائیاں مسلمانوں پر مسلط کی گئیں، اور مسلمانوں کو صرف اپنی بقا اور سالمیت کو یقینی بنانے اور امن برقرار رکھنے کے لیے ان جنگوں کا حصہ بننا پڑا۔

چناں چہ سر سید بیان کرتے ہیں کہ آغاز اسلام میں رسول اللہ ﷺ نے کیسی کیسی اذیتیں، تکالیف اور تشدد برداشت کیا اور اس کے جواب میں آپ ﷺ نے صبر و تحمل کا ہی مظاہرہ فرمایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ابن ہشام سے کئی ایک واقعات ذکر کیے ہیں۔ پھر صحابہ کرام پر مشرکین مکہ کے ظلم و جبر کے واقعات بھی تحریر کیے ہیں، یہ واقعات تاریخ کامل لابن اثیر کے حوالے سے ہیں۔

پھر ہجرت حبشہ کا مختصر ذکر ہے، اس کے بعد قریش کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی تدبیر کا ذکر کیا ہے۔ سیرت کی عام ترتیب کے مطابق یہ واقعہ اس موقع کا معلوم نہیں ہوتا۔ سر سید نے ایسی تدابیر کا دو موقع پر ذکر کیا ہے، ایک یہاں، ایک ہجرت مدینہ کے موقع پر۔ اس کے بعد سر سید دوسری ہجرت حبشہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ۱۳ نبوی میں ہجرت مدینہ کا ذکر ہے، اختصار کے ساتھ سر سید نے ہجرت کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ہجرت کے واقعات بیان کرنے کے بعد تاریخ ابن خلدون کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ نے مسلمانوں کو چین نہیں لینے دیا اور مسلسل سازشوں میں مصروف رہے، ان حالات کا ذکر قرآن میں بھی ہے کہ ''اہل مکہ تم

سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے"، یہ تفصیل بیان کرکے سر سید کہتے ہیں کہ ان حالات میں آں حضرت ﷺ کو اور مہاجرین اور انصار کو اپنی اور مدینے کی حفاظت اور امن وامان قائم رکھنے کے لیے کیا کرنا لازم تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے چار امر لازمی تھے کہ بغیر ان کے کبھی امن اور مطلوبہ حفاظت کسی طرح قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

اول۔ اس بات کی خبر رکھنی کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبے میں ہیں۔

دوم۔ جو قومیں کہ مدینے میں یا مدینے کے گرد رہتی تھیں، ان سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔ لیکن عہد شکنی کی حالت میں ان سے مقابلہ کرنا اس منصوبے کے لیے ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاہدہ کرنا، کیوں کہ اگر عہد شکنی کی مکافات نہ قائم کی جائے تو کوئی معاہدے کے اپنے عہد پر قائم نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں بہ مجبوری رہ رگئے تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے، ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت کرنا۔ جو قافلہ مکے سے نکلتا تھا ہمیشہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اس کے ساتھ بہانہ کرکے کوئی مسلمان مدینے میں بھاگنے کے ارادے سے نکلا ہو۔

چہارم۔ جو گروہ قریش کا مکے سے مدینے پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینے آنے والا ہے، ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرنا۔ کیوں کہ ایسا کرنا ہی اسی امن کے قائم رکھنے کے لیے لازمی وضروری ہے۔

ان چاروں باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی نسبت کہا جاسکے کہ اس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام کا منوانا مقصود ہے۔ ([52])

اس کے بعد سر سید رحمہ اللہ نے بڑا عنوان یہ قائم فرمایا ہے کہ ان آیات قرآنی کا بیان، جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے۔ اس کے تحت متعدد آیات قرآنی سے استدلال کیا ہے کہ ان احکام کے تحت رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے معاہدے کیے، جو مسلمانوں کی امن پسندی کی بین دلیل ہیں۔ ([53])

اس کے بعد انہوں نے ایک اور اہم عنوان قائم کیا ہے: لڑائی کے احکام اور اس حالت میں بھی آزادی مذہب۔ اس کے تحت متعدد آیات قرآن پیش کرکے سر سید یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ لڑائی کا حکم کسی کو زبردستی سے اسلام قبول کروانے کے لیے نہیں ہے، بل کہ جو لوگ مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان سے لڑنا چاہتے تھے، ان سے محفوظ رہنے کے لیے لڑائی کا حکم ہوا ہے۔ ([54])

اس کے بعد ان آیات کا ذکر کرکے ان کا محل متعین کرتے ہیں، جن میں کافروں کو قتل کرنے کا حکم ہے، ان آیات کو اور ان کے حوالے سے مخالفین کے اعتراضات کو پیش کرنے کے بعد سر سید لکھتے ہیں کہ ہم نے بالتفصیل اوپر بیان کیا ہے کہ کفار سے لڑائی کا حکم صرف مسلمانوں کے لیے امن قائم کرنے کا تھا، اور وہ امن صرف تین طرح پر قائم ہو سکتا تھا:

اول۔ قبل جنگ یا بعد جنگ آپس میں صلح ہونے اور امن کا معاہدہ ہونے سے، جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے، جہاں فرمایا ہے:

(فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا) ([55])اور خود رسول خدا ﷺ نے بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاہدے کیے ہیں جن کا ذکر آئے گا۔

دوسرے۔ فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کرنے سے، جس کے بعد وہ اپنے دین و مذہب پر بہ دستور قائم رہتے ہیں جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍوَّهُمْ صٰغِرُوْنَ . ([56])

تیسرے۔ مسلمان ہو جانے سے۔ پس یہ تینوں صورتیں امن قائم ہونے کی ہیں، ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آئے تو لڑائی قائم نہیں رہتی تھی، اس لیے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی سے بہ زور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا، بل کہ صرف امن کا قائم کرنا مقصود تھا۔ ([57])

اس تفصیلی بحث کے بعد سر سید نے مختلف سرایا اور غزوات کا ذکر کیا ہے، جن میں لڑائی ہوئی، اور بیان کیا ہے کہ یہ لڑائی کیوں ہوئی؟ اس میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے؟ نیز اگر لڑائی ہوئی تو کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ہوئی، یا کسی غلط فہمی کے سبب ہوئی۔ اس سلسلے کے آخری معرکے تبوک کا ذکر کرکے سر سید نے اپنی یہ بحث مکمل کی ہے۔

اس مضمون کی آخری اہم بحث جزیے کی ہے۔ سر سید کی یہ بحث بھی معرکے کی ہے، اس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ جزیے کے مصالح بیان کیے ہیں، اور بتایا ہے کہ اس کے ذریعے اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے ساتھ موجود غیر مسلم شہریوں کو کیا کیا اضافی حقوق حاصل ہیں، اور مثالوں کے ذریعے بیان کیا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے برعکس غیر مسلموں کو زیادہ مالی تحفظ حاصل ہے۔

اس بحث کا اختتام سر سید اس بیان پر کرتے ہیں:

رہی یہ بات کہ انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں اس سے انکار کرنا اور اس کو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ تمام انبیا جب کہ قوم کی اصلاح اور ان کے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً ان کے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نہ کرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ اور کسی مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے اس کے لیے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اس کے پیروؤں کے مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بہ زور حکومت اس کو ترقی دی گئی۔

قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی ہے:

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا "([58])

"اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک دوسرے سے تو ضرور ڈھادی جاتیں عیسائیوں اور درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے معبد اور تمام نماز گاہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بہت زیادہ خدا کا ذکر کیا جاتا ہے۔"

پس یہ کہنا کہ انبیا کو ایسی لڑائیاں نازیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جس کو قانون قدرت مردود کرتا ہے۔ ([59])

خدا، رسول اور قیامت کے متعلق سرسید کے عقائد۔ مقالات سرسید حصہ سیز دھم

یہ مضمون ابتدائے گفت گو میں سرسید کے عقائد کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے، اور اس میں زیر بحث اور اس مضمون کے متعلق جملہ بھی ایک ہی ہے۔ "بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر"

وحی الٰہی اور نبوت کی حقیقت۔ مقالات سرسید: حصہ سیز دہم، ص ۶۵

نبوت ایک امر فطری ہے۔ ایضاً: ص ۷۳

ان دونوں مضامین میں ایک ہی بحث ہے کہ نبوت کیا ہے؟ یہاں بھی سرسید علیہ الرحمہ نے اپنے مخصوص عقلی اسلوب میں اپنے افکار پیش کیے ہیں۔ پہلے مضمون میں کہتے ہیں کہ "وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے مگر اگلے مفسروں نے اس کا بیان کہ وہ کیوں کر دی جاتی ہے، ٹھیک طور پر نہیں کیا۔ انہوں نے خدا و رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے اور جبرئیل کو ایک مجسم فرشتہ۔ بادشاہ و وزیر میں ایلچی پیغام لے جانے والا قرار دیا ہے۔" ([60])

اس کے بعد سرسید امام رازی کے اس حوالے سے ان کے افکار پیش کرکے ان کا رد کرتے ہیں کہ وحی کی پیغام رسانی میں جبریل کی ضرورت کیوں تھی؟ اور کہتے ہیں کہ علمائے مقتدمین نے نبوت کو بھی ایک عہدہ سمجھا ہے، حال آں کہ سرسید کے الفاظ میں نبوت در حقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیا میں بہ مقتضائے ان کی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے، جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اس کی ترکیب و اعضا دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملکۂ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ بات کچھ ملکہ نبوت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعضی دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسی کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی اپنے فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بہ مقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے، وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بہ مناسبت اس کے اعضا کے قوی ہوتے جاتے ہیں، اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور جب اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اس کا مقتضی ہوتا ہے جس کو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ([61])

دوسرے مضمون میں سرسید نے یہی نکتہ مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ نبوت ایک فطری امر ہے، اور اپنی تائید میں انہوں نے امام رازی کی عبارت پیش کی ہے، یہ مضمون بھی مختصر ہے، اور اس کا اختتام حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب تفہیمات کے ایک اقتباس پر ہوتا ہے، جس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ رسالت کے دو رکن ہیں، ایک رکن استعداد اور قابلیت نبی کا اور دوسرا رکن توجہ اور عنایت اور تدبیر الٰہی کا۔ ([62])

معجزے کی حقیقت۔(63)

کیا معجزہ دلیل نبوت ہے؟(64)

ان دونوں مضامین کا موضوع بھی ایک ہے، وہ ہے معجزے کی عقلی توضیح اور نبوت کو ماننا اس پر منحصر نہ ہونا، اس مضمون میں پیش کیے گئے اصولی نکتے سے تو اختلاف کسی کو نہیں ہوگا، لیکن حسی معجزات کا محض عقلی بنیادوں پر انکار امت کے مجموعی مزاج کے لیے ہمیشہ اجنبیت کا باعث رہا ہے، اور رہے گا۔ نصوصِ شرعیہ سے بھی اس موقف کی تائید ممکن نہیں۔

سر سید کے پہلے مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ وہ خرق عادت کے طور پر نہیں ہوتا۔ عام طور پر اہل علم لکھتے ہیں کہ معجزہ خرق، عادت ہوتا ہے، سر سید کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں، سر سید اپنے خیال کو مزید وضاحت سے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حکما و فلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو، مگر ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لیے ان سے انکار کرنا ضرور ہے بل کہ ہمارا انکار اس اس بنا پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات و کرامات یعنی ظہور امور کا بہ طور خرقِ عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف خلقت یا خلاف قدر التی قدر ھا اللہ کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہیں ہوتا اور اس لیے معجزات و کرامات سے جب کہ ان کے معنوں میں غیر مقید و نا قانون قدرت کا مراد لیا جائے تو انکار کرتے ہیں اور اگر ان کے مفہوم میں یہ بھی داخل کیا جائے کہ وہ مطابق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں تو صرف نزاع لفظی باقی رہ جاتی ہے کیوں کہ جو امر کہ واقع ہوا اور جس شخص کے ہاتھ سے واقع ہوا اس کو ہم دونوں تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اس کا معجزہ یا کرامت نام رکھتے ہیں ہم اس کا یہ نام نہیں رکھتے۔ (65)

دوسرے مضمون میں سر سید کی جانب سے پیش کردہ خیال یہ ہے کہ ابن رشد کے حوالے سے کہتے ہیں: قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہیں دیا اور اس کے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہے اور قریباً قریباً وہی لکھا ہے جو اس بحث میں ہم لکھ چکے ہیں۔ (66)

سر سید کا یہ موقف بھی فکر اعتزال کا ہی نتیجہ ہے۔ اس موقف پر الگ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

کیا معجزات باعث ایمان ہوتے ہیں؟(67)

یہ مختصر مضمون صرف دو صفحات پر مشتمل ہے، اس کے آغاز میں سر سید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیا پر ایمان لانا بہ سبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے مگر یہ خیال محض غلط ہے، انبیا علیہم السلام پر یا کسی ہادیٔ باطل پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے، بعض انسان از روئے فطرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں کہ سیدھی اور سچی بات ان کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ اس پر یقین کرنے کے لیے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے، باوجود یہ کہ وہ اس سے مانوس نہیں ہوتے مگر ان کا وجدان صحیح اس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ (68)

اس اقتباس سے اس مضمون کا مرکزی خیال واضح ہے۔

آں حضرت ﷺ اور صدور معجزات

یہ مضمون بھی سر سید کی سابقہ تحریروں کا تسلسل ہے، سر سید یہاں اپنی یہ فکر پیش کرتے ہیں کہ جب بھی کفار نے معجزات طلب کیے تو قرآن کریم نے یہی کہا:

"لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ " (69)

یعنی کافروں نے کہا، کیوں نہیں اتاری گئی اس پر یعنی پیغمبر پر نشانیاں یعنی معجزے اس کے جواب میں خدا نے پیغمبر سے کہا کہ تو یہ کہہ دے کہ بات یہ ہے کہ نشانیاں یعنی معجزے تو خدا کے پاس ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تو علانیہ ڈرانے والا ہوں۔ (70)

اصل میں سر سید کا تصور یہ ہے کہ جیسے معجزات کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہی ظہور پذیر ہونے والے واقعات ہیں، ان سے الگ کچھ نہیں۔ اور نبوت اپنے اثبات کے لیے مزید کی خارجی ثبوت کی محتاج نہیں ہے۔ سر سید اپنا موقف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

ایسا ہادی جس میں اس قسم کی ہدایت کی کامل فطرت ہوتی ہے وہی نبی ہوتا ہے اور وہی فطرت، ملکہ نبوت، مانوس اکبر، جبرئیل اعظم کے لقب سے ملقب کی جاتی ہے۔ وہ کسی بات کو سوچتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ دفعتاً اس کے دل میں بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایک القا ہوتا ہے اور قلب کو ایک صدمہ اس کے القا سے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ اوپر سے کسی چیز کے گرنے سے صدمہ ہوتا ہے یا اس قسم کا ایک انکشاف اس کے دل پر ہوتا ہے جو سچ مچ وہ جانتا ہے کہ تمام حجاب اٹھ گئے ہیں اور جس کی میں تلاش میں تھا مثل سپیدۂ دم صحیح میرے سامنے موجود ہے، شاید مختلف حالات و معاملات میں اوروں کو بھی ایسا ہوتا ہو مگر جب اس شخص میں دو صفتیں تسلیم کر لی گئی ہیں، ایک فطرت کا کامل ہونا اور دوسرے اس فطرت کا تہذیب نفس انسانی سے مخصوص ہونا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا وہ القا یا وحی خواہ جبرئیل لے کر آیا ہو یا خود وہ ملکۂ نبوت ہی اس میں اور خدا میں ایلچی بنا ہو اور فطرت اللہ کے مطابق ہے۔ (71)

واقعہ معراج کی حقیقت اور اصلیت۔ (72)

سر سید کا یہ مضمون درحقیقت ان کی پوری کتاب ہے اور اس سلسلۂ مضامین میں سب سے مفصل بھی، چناں چہ مقالات سر سید کی اس سیریز میں وہ کوئی لگ بھگ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، مرتب مقالات نے بھی اسے جلد سیز دھم کے آخر میں بہ طور ضمیمہ شامل کیا ہے۔

یہ مضمون جیسا کہ عرض کیا خاصا طویل ہے، اور اپنی طوالت اور استدلال کے سبب علیحدہ سے تبصرہ کا محتاج بھی، مگر اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ سر سید معراج کو روحانی مانتے ہیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے ان تمام روایات اور شخصیات سے استفادہ کیا ہے، اور اس موضوع پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، اور کتب حدیث و سیرت و تفسیر سے اہتمام کے ساتھ حوالے نقل کیے ہیں اور عبارتیں پیش

کیں۔ جن کا یہی موقف ہے۔ مگر یہ موقف کم زور بل کہ امر واقعی کے خلاف ہے۔ اگرچہ معراج کے روحانی یا جسمانی ہونے کی بحث مسلم مفکرین کے ہاں کسی نہ کسی درجے میں موجود رہی ہے، مگر امت کا بڑا اور اکثری حصہ اسے جسمانی ہی مانتا ہے، اور قرآن کریم کا اسلوب بھی اس کا موئید ہے۔ ([73])

خلاصہ

سر سید نے سیرت طیبہ پر کافی لکھا ہے۔ ان کا یہ ذخیرۂ سیرت بہ جائے خود تفصیلی اور تجزیاتی مطالعے کا متقاضی ہے۔ سر دست اس ذخیرے کے بڑے حصے کا تعارف پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، راقم کا یہ بھی احساس ہے کہ یہ تعارف مکمل نہیں، نیز اس فہرست میں مزید مضامین کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ سر سید کے اس ذخیرے کے مطالعے سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔

الف: سر سید کی تحریروں سے (باحوالہ کم بلاحوالہ زیادہ) بعد میں مسلسل استفادہ کیا جاتا رہا ہے، اور یہ سلسلہ نقل در نقل کی صورت میں آج بھی جاری ہے، خصوصیت سے ازواج مطہرات کے سلسلے میں ان کی نامکمل تحریر اور غزوات و سرایا کے حوالے سے ان کا مضمون اور اس کی تمہیدی بحث اور اسی مضمون میں جزیے کی بحث دیکھی جا سکتی ہیں۔

ب: سر سید کے علانیہ معتقدات اپنی جگہ، مگر ان کی رائے بہت سے مقامات پر جمہور سے یک سر الگ نہیں، یا تعبیر کا فرق ہے، یا متقدمین میں سے کسی ایک یا چند ایک اہل علم کی رائے کا تسلسل ہے۔

ج۔ سر سید رحمہ اللہ کی متفردانہ آرا کا ایک سبب ان کی اعتزال پسندی بھی ہے، کہ وہ علانیہ اپنے آپ کو معتزلی قرار دیتے ہیں۔

د۔ سر سید کی تحریروں میں متعلقہ موضوعات پر ماقبل میں لکھی جانے والی کتب کا حوالہ بھی ملتا ہے، یوں وہ اسلامی تراث سے پوری طرح باخبر دکھائی دیتے ہیں۔

تجاویز

اس موقع پر چند تجاویز بھی پیش کرنا مناسب ہوگا:

الف: سر سید کی مذہبی تحریروں بالخصوص سیرتی تحریروں کا الگ سے انتخاب ضروری ہے، جو جدید تدوین کے بعد شائع کیا جائے۔

ب: سیرت طیبہ کے حوالے سے سر سید کی ان تحریروں کا تحلیلی و تجزیاتی مطالعہ بھی ضروری ہے، اس کی روشنی میں سر سید کے عقائد بھی زیادہ واضح ہو سکتے ہیں۔

ج: کس قدر مقام افسوس ہے کہ سر سید کے نام لیواؤں کے ایک ہجوم کے باوجود ان کی تحریریں عام میسر نہیں، جو میسر ہیں وہ جدید دنیا کے قاری کو پیش کرنے کے قابل نہیں، ایسے میں ضروری ہے کہ ان تحریروں کو تدوین نو کے بعد ان کی از سر نو اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

د: سر سید کی جو تحریر مستقبل کتابوں کی حیثیت رکھتی ہیں، حجم سے قطع نظر انہیں الگ سے شائع کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

ح: خاص طور پر مقالات سیر سید میں سے ان کی سیر تی تحریروں کا انتخاب کر کے جدید اسلوبِ تخریج کے ساتھ اسے شائع کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ ہمارے ملک کے طول و عرض میں موجود مسانیدِ سیرت اس حوالے سے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

References

[1]۔اس مضمونِ کے لیے ہم نے مقالات سرسید مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کو مد نظر رکھا ہے۔اس تحریر میں اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔

[2]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱:۱۲۸۔۱۴۳

[3]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱:۲۲۲۔۲۵۹

[4]۔احمد خان، مقالات سرسید،۴:۲۲۲۔۲۵۹

[5]۔احمد خان، مقالات سرسید،،۳۰۰۔۳۰۵

[6]۔احمد خان، مقالات سرسید،۳۰۶۔۳۳۹

[7]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۰۶۔۱۲۰

[8]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۴:۳۷۴۔۴۱۶

[9]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۵:۲۳۱۔۲۳۶

[10]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۵:۴۱۲۔۵۱۲

[11]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۵۱۔۵۳

[12]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۶۵۔۷۲

[13]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۷۳۔۷۷

[14]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۷۸۔۹۱

[15]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۹۲۔۱۰۳

[16]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۱۰۶۔۱۳۲

[17]۔احمد خان، مقالات سرسید،۱۳:۵۹۳۔۸۰۴

[18]۔محمد اسماعیل، پانی پتی، مولانا، مرتب۔مقالات سرسید(لاہور: مجلس ترقی،ادب ۱۹۹۳ء)۱:۹۔۱۰

[19]۔سرسید کے اسلوب پر مقالات سرسید کے مرتب محمد اسماعیل پانی پتی نے طویل کلام کیا ہے، وہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔یہ تحریر لکھتے ہوئے وہ حصہ راقم کے پیش نظر بھی رہا ہے: دیکھیے: حصہ اول: ص ۱۴۔۲۶۔ نیز سرسید کے اسلوب پر ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، دیکھیے: ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو(لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۱۳ء)۴: ۸۸۳

[20]۔سید احمد خان، سر، مقالات سرسید(لاہور: مجلس ترقی،ادب ۱۹۹۳ء)۱:۶۔۷

[21]۔عبدالماجد، دریاآبادی، مولانا، صدق جدید (لکھنو: ۷اکتوبر ۱۹۶۰ء)۔احمد خان، مقالات سرسید، ۵۲: ۱۳۔۵۳

[22]۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۳ء)، ۷۸

[23]۔ایضاً، حاشیہ ص۷۸

[24]۔احمد خاں بہادر، سید، جوادالدولہ، عارف جنگ، جلاءالقلوب بذکرالمحبوب، (دہلی، انڈیا: سید محمد خان بہادر چھاپہ خانہ)، ۳

[25]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۳۱:۸

[26]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱:۱۲۸

[27]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱۳۳:۸

[28]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱:۲۳۵

[29]۔احمد خان، مقالات سرسید، مرتب: محمد اسماعیل پانی پتی، ۱:۲۳۵

[30]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۴:۲۲۲

[31]۔ محمد اسماعیل پانی پتی، مرتب۔ مکتوبات سرسید، (لاہور: مجلس ترقی، ادب ۱۹۹۳ء)، ۳۰۷

[32]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۲۳۲:۴

[33]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۴:۳۰۰

[34]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۴:۳۰۶

[35]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۳۰۶:۴

[36]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۳۲۵

[37]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۶:۱۰۶

[38]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۶:۱۰۷

[39]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۶:۱۱۸

[40]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱۴:۳۷۴

[41]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۳۷۴

[42]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۳۷۸

[43]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱۴:۳۸۵

[44]۔الانفال: ۱۷

[45]۔الانفال: ۱۱

[46]۔الانفال: ۳۳

[47]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱۱:۲۳۱

[48]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۲۳

[49]۔احمد خان، مقالات سرسید، ۱۱:۴۱۲

[50]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۲

[51]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۳۱۳

[52]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۱:۴۳۱

[53]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۴۴۰

[54]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۴۴۴

[55]۔التوبہ: ۹۲

[56]۔النساء: ۹۰

[57]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۴۴۹

[58]۔الحج: ۲۲

[59]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۵۱۱

[60]۔احمد خان، مقالات سر سید، ٦۵

[61]۔احمد خان، مقالات سر سید، ٦۷

[62]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۷۷

[63]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۱:۷۸

[64]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۳: ۹۲

[65]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۸۹

[66]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۹۹: ۱۳

[67]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۳: ۱۰۴

[68]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۰۴: ۱۳

[69]۔العنکبوت: ۴۹

[70]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۳۱

[71]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۲۱: ۱۳

[72]۔احمد خان، مقالات سر سید، ۱۳: ۵۱۳

[73]۔اس بحث کا خلاصہ سید فصل الرحمن کی کتاب ہادیٔ اعظم میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فضل الرحمن، سید، ہادی اعظم (کراچی: زوار اکیڈمی) ۳۴۹: ۱